فلاح دارین

مفت سلسلۂ اشاعتِ کتب

الفتاوی الشاذلیہ

غیر مسلم ممالک میں سود اور مورٹ گیج کا شرعی حکم

مؤلف

مفتی محمد ابوبکر صدیق القادری الشاذلی

(جنرل سیکریٹری طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل، رئیس دارالافتاء جامع طوبیٰ)

ناشر

طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل

نام کتاب: غیر مسلم ممالک میں سود اور مورٹ گیج کا شرعی حکم

مؤلف کا نام: مفتی محمد ابوبکر صدیق القادری الشاذلی

تعداد: ۲۰۰۰ (دو ہزار)

ناشر: طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ (انٹرنیشنل)

رجب المرجب ۱۴۳۲ھ ، جون 2011ء

جامع مسجد طوبیٰ و دارالافتاء جامع طوبیٰ، ملت گارڈن سوسائٹی، نزد محبت نگر، ملیر

15ـ

0321-2762847

UK کے رہنے والے حضرات اس کتاب کے حصول کے لئے

جناب خلیفہ ملک محمد ناصر محمود صاحب زید مجدہ (نوٹنگھم) سے درج ذیل نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں

07735415048

عرض مدعا

الحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ وعلی آلہ وأصحابہ وأھل بیتہ وذریتہ أجمعین. أما بعد

الحمد للہ طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ کے مفت سلسلۂ اشاعتِ کتب بنام **''فلاح دارین''** کی سولہویں کتاب **''غیر مسلم ممالک میں سود اور مورٹ گیج کا شرعی حکم''** آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کتاب ہذا میں غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو پیش آنے والے چند اہم مسائل سے متعلق سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کا مؤقف دلائل شرعیہ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امام اعظم پر معترض بعض حنفی حضرات کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ مطالعہ کیجئے اور شرعی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

جو حضرات ''فلاح دارین'' کے اس سلسلہ کے ممبر بننا چاہیں وہ ایک سال کے ڈاک کا خرچہ 200 روپے بھیج کر اس کے ممبر بن سکتے ہیں، ان شاءاللہ ہر ماہ ایک کتاب ان کے ایڈریس پر روانہ کر دی جائے گی اور جو حضرات اس سلسلے میں تعاون کرنا چاہیں وہ درج ذیل نمبر پر فون کر کے رابطہ کر سکتے ہیں:

موبائل: 0333-3786913

ادارہ: طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاستفتاء: جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمدللہ Qtv پر آپ کے پروگرامز دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ آپ عموماً غیر مسلم بینکوں سے مورٹ گیج (Mortgage) کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ مگر ہم نے یہاں انگلینڈ میں بعض معتبر علماء کو ناجائز کہتے سنا ہے۔ عموماً مورٹ گیج کے عدم جواز پر مختلف قسم کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ برائے کرم ہمیں درست شرعی حکم بیان کریں کہ کونسی بات درست ہے؟ اگر آپ کی بات درست ہے تو ان اعتراضات کے جوابات مرحمت فرمادیں جو بعض علماء کی جانب سے کئے جاتے ہیں۔

الجواب بعون الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدالأنبياء والمرسلين وعلى آله واصحٰبه واهل بيته وآئمة امته اجمعين خاصة منهم على الامام الأعظم ابى حنيفة نعمان ابن ثابت. والعاقبة للمتقين. اللهم ارناالحق حقاوارزقنااتباعه وارناالباطل باطلاوارزقنااجتنابه. آمين بجاه النبى الأمين وصلى الله عليه وآله وبارك وسلم

امابعد! راقم الحروف نے آپ کے ارسال کردہ استفتاء کے بعد بھی اور اس

سے قبل بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رکھنے والے علماء کے اعتراضات کو بغور دیکھا مگر حق یہ ہے کہ ان اعتراضات میں سے کوئی بھی اعتراض ایسا نہیں جو دقت نظری پر مشتمل ہو۔ بہرحال راقم الحروف ان تمام اعتراضات کے جوابات معتبر کتب سے مکمل حوالہ جات کے ساتھ نمبروار لکھے گا جس سے واضح ہو جائیگا کہ امام الائمہ، سراج الآئمۃ، کاشف الغمۃ ہی کا فتوی حق اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہے ۔ ہم اللہ تعالی سے خیر طلب کرتے ہیں اور وہی خیر کی توفیق دینے والا ہے۔

راقم الحروف کا مؤقف

امام اعظم سے اختلاف رکھنے والے علماء کے اعتراضات کے جوابات سے پہلے راقم الحروف یہ بات واضح کرنا چاہے گا کہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور اس مسئلے میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ بعض مجتہدین کے نزدیک حربی سے بظاہری سودی معاملہ کر کے نفع اٹھانا جائز ہے اور یہ ہی امام اعظم کا موقف ہے جیسا کہ حنفی مذہب کی کتبِ متون، شروح اور فتاوی سے ظاہر ہے۔ اور بعض مجتہدین کے نزدیک ناجائز ہے۔ جب ایک فقہی مسئلہ مجتہدین کے مابین مختلف فیہ ہو تو اس میں مقلدین کو کلام کی حاجت نہیں۔ ہر مقلد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے امام کے مسئلے پر عمل کرے۔ مگر فی زمانہ بعض علماء نے امام اعظم کے مؤقف کی بلاوجہ تضعیف کی بلکہ امام اعظم کے مؤقف کی خودساختہ تاویلات کیں، نہیں بلکہ اس کا سرے سے انکار کیا تو راقم الحروف نے ارادہ کیا کہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی

موٴقف کوعوام کے سامنے بیان کیا جائے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کےفرمان ”یسّــروا ولاتعسّــروا“ پرعمل کرتے ہوئے غیرمسلم مما لک میں رہنے والے مسلمان بھائیوں کے لئے جائزسہولت کو بیان کیا جائے تا کہ وہ لوگ شریعت مطہرہ کی دی گئی رعایت وسہولت پرعمل کرتے ہوئے اپنے لئے مورٹ گیج کے ذریعے مکانات کی ملکیت حاصل کرسکیں۔ اس کے علاوہ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق غیرملکی بینکوں میں مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی رقم ریڈکراس کے ذریعے عیسائی تبلیغی کاموں میں استعمال کی جاتی ہے،لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اگروہ اس رقم کوخودنا بھی استعمال کریں تو بھی اسے بینک کی ملکیت میں نہ دیں کیونکہ وہ رقم غیرمذہب کے پرچار میں استعمال کی جائیگی۔ چنانچہ بہتر ہے کہ وہ رقم لے کر دیگر کمزور مسلمان بھائیوں کودے دی جائے تا کہ ان کے کام آسکے۔

خیال رہے ہمارے اس فتوی کا منشا لوگوں کوسودی بینکوں سے لین دین کرنے کی ترغیب دینانہیں۔اس ضمن میں یہ واضح کردیناچاہوں گا کہ فی زمانہ کسی بھی ملک کی معیشت اس کے بینکوں پرمنحصر ہوتی ہے۔لہذا اگرکہیں اسلامی بینک موجود ہوں وہاں بلاوجہ نفع حاصل کرنے کے لئے مروجہ سودی بینکوں میں اکاؤنٹ کھولنے کے بجائے اسلامی بینک کوترجیح دی جائے۔ نیز اگراسلامی بینک کے ذریعہ اسلامی طریقے سے بآسانی مورٹ گیج حاصل کرناممکن ہوتو پھراسے ہی ترجیح دی جائے اورمروجہ سودی بینکوں کارخ نہ کیا جائے۔

امام اعظم کے مؤقف پر دلائل

علماء معترضین کے اعتراضات کے جوابات سے پہلے راقم الحروف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی تائید میں بیان کئے جانے والے چند دلائل میں سے دو دلائل اختصار کے ساتھ بیان کرے گا۔

دلیل نمبر1: حدیث لاربا

امام اعظم اور دیگر فقہاء مجتہدین نے مسلمان اور حربی کافر کے مابین سود کی نفی کی بنا حدیث **لا ربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب** پر کی ہے۔ اس حدیث شریف کو امام زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نصب الرایہ، کتاب البیوع، باب الربا جلد۴ صفحہ نمبر۸۲ پر نقل کیا۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی حدیث کو **لاربا بین أهل الحرب** کے الفاظ سے معرفۃ السنن والآثار، کتاب السیر، باب بیع الدراھم بالدرھمین فی أرض الحرب، رقم الحدیث ۱۸۱۶۹، جلد۳، صفحہ ۲۷۶ پر بیان کیا ہے۔

دلیل نمبر2: ربا العباس رضی اللہ عنہ

سیدنا امام اعظم کے مؤقف کی تائید میں اس دلیل کو امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مشکل الآثار جلد۴ صفحہ ۲۴۵ میں بیان فرمایا۔ راقم الحروف اسے اختصار کے ساتھ بیان کرے گا۔ امام جعفر طحاوی نے فرمایا کہ بعض روایات کے مطابق سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما غزوہ بدر کے وقت مسلمان ہو چکے تھے، اور بعض روایات کے مطابق آپ غزوہ خیبر کے وقت اسلام لائے

تھے۔ بہر حال دونوں ہی صورتوں میں آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور حضرت فضالہ بن عبید کی روایات سے ثابت کہ سود کی حرمت غزوہ خیبر یا اس سے پہلے ہو چکی تھی۔ جب مکہ معظّمہ فتح ہوا تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی فرمایا کہ، ''أول ربا أضع ربانا ربا العباس بن عبدالمطلب'' یعنی سب سے پہلا سود جسے میں ختم کرتا ہوں وہ ہمارا سود یعنی عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے وقت مکہ معظّمہ میں سود قائم تھا کیونکہ ختم یا ساقط اسے کیا جاتا ہے جو قائم ہو۔ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود بھی قائم تھا حالانکہ وہ تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس وقت تک مکہ معظّمہ میں مسلمان اور مشرکین کے مابین سود کا لین دین جائز تھا، کیونکہ فتح سے پہلے تک مکہ مکرمہ دارالحرب تھا۔ لہذا ظاہر ہوا کہ امام اعظم کا مؤقف درست ہے۔ اسی لئے امام اعظم سے پہلے امام ابراہیم نخعی فرماتے تھے کہ ''لا بأس بالدینار بالدینارین فی دارالحرب بین المسلمین وبین أھل الحرب''۔ ترجمہ ''ایک دینار کے بدلے میں دو دینار لینے میں کوئی حرج نہیں، اگر یہ معاملہ دارالحرب میں مسلمانوں اور اہل حرب کے درمیان ہو''۔

اعتراضات اوران کے جوابات

اعتراض نمبرا: کیا نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر حربی تھے؟

جس حدیث سے امام اعظم نے استدلال کیا وہ ضعیف ہے، اوراس حدیث شریف کے ضعیف ہونے کی ایک صریح دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ اور ہجر کے مجوس کو باوجود حربی کافر ہونے کے سود لینے دینے سے منع فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

فان النبی صلی الله علیه وآله وسلم کتب الی نصاری نجران من اربی فلیس بیننا وبینه عهد وکتب الی مجوس هجر اما ان تدعوا الربا او تأذنوا بحرب من الله ورسوله.

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف، ج ۱۴ ص ۵۸ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی طرف لکھا جس شخص نے سود لیا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں، اور مجوس ہجر کی جانب لکھا یا تو تم سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قبول کرلو''۔

نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر حربی تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بھی اپنے علاقوں میں سود لینے کی اجازت نہیں دی، اور جب آپ نے حربی

کافروں کو سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ دارالحرب کے مسلمانوں کو سود خوری کی اجازت کب دے سکتے ہیں؟

جواب: یہی دلیل شاید مانعین کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے عدول کی سب سے قوی وجہ ہے، مگر راقم الحروف کے خیال میں یہ عبارت امام اعظم کے مؤقف کے خلاف نہیں بلکہ تائید میں ہے۔ خود اس روایت میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ نجران کے نصاری اور ہجر کے مجوس حربی نہ تھے بلکہ ذمی تھے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس طرح کا لین دین منع فرمایا۔ مذکورہ بالا عبارت میں پہلی خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''پس ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ رہے گا''۔ اس سے ظاہر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ کیا تھا اور وہ لوگ حکومت اسلامیہ کے معاہد تھے۔ اور دوسری خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ یہ کہ ''یا تم سود چھوڑ دو یا اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان جنگ کر دو''۔ اس عبارت سے بھی یہ ہی ظاہر ہے کہ ہجر کے مجوس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کر لیا تھا ورنہ اگر وہ حربی تھے تو ان کو یہ نہ کہا جاتا ہے کہ ''اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان جنگ کر دو'' کیونکہ حربی تو ہوتا ہی وہ ہے جو مسلمانوں سے محارب ہو۔ چنانچہ اسی روایت سے ثابت ہوا کہ نجران کے عیسائی اور ہجر کے مجوس حربی نہ تھے بلکہ معاہد تھے۔ اور اہل علم پر روشن کہ جو معاہد ہوتا ہے وہ اہل ذمہ میں سے ہوتا ہے

اوراسی پر ذمی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

ذمی کون ہیں؟

علامہ مرتضٰی زبیدی لفظ ''ذمۃ'' کے معنی میں فرماتے ہیں،

الـذمة : بـالـكسـر العهـد، ورجـل ذمـى أى لـه عهد ،

....

ترجمہ: ذمہ اگر ذال کے کسرہ کے ساتھ ہوتو اس کا معنی 'عہد' ہے۔ذمی آدمی اسے کہا جاتا ہے جس نے معاہدہ کیا ہو۔

(تاج العروس، باب المیم، فصل الذال، ج ۸ ص ۳۰۱، دارالفکر بیروت)

اسماعیل الفارابی الجوهری مختارالصحاح میں فرماتے ہیں،

الذمام: الحرمة ، وأهل الذمة : أهل العقد، قال ابوعبيده، الـذمة الأمان فى قوله صلى الله عليه وآله وسلم"ويسعى بذمتهم أدناهم".

(مختار الصحاح، باب المیم، فصل الذال، ج ۴، ص ۱۰۷۴، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: ذمام سے مراد حرمت ہے۔اہل ذمۃ سے مراد اہل عقد ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ''اوران کا عہدانکے ادنی کے لئے بھی وسعت کریگا۔'' میں ذمہ امان کے معنی

میں بھی استعمال ہوا ہے۔

علامہ علی بن محمد بن علی جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

الذمة لغة : العهد، لأن نقضه يوجب الذم

(التعریفات، باب الذال، ص ۹۱، مطبوعہ: دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ذمہ کا لغوی معنیٰ عہد ہے کیونکہ اس کا توڑنا ذم کا باعث ہے۔

مذکورہ بالا کتب کے حوالہ جات سے ظاہر ہوا کہ جو غیر مسلم معاہد ہوں وہ ذمی ہیں نہ کہ حربی۔ مزید تشفی کے لئے امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ذمی کی تعریف رقم کی جاتی ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ذمی کی تعریف میں فرماتے ہیں،

والمراد به من له عهد مع المسلمين سواء كان بعقد جزية أو هدنة من سلطان أو أمان من مسلم.

(فتح الباری، کتاب الدیات، باب اثم من قتل ذمیا بغیر جرم، تحت رقم: ۶۹۱۴، ج ۱۲ ص ۲۹۷، دارالحدیث القاہرہ)

ترجمہ: ذمی سے مراد ہر وہ شخص ہے کہ جس کا مسلمانوں سے عہد ہو، خواہ عقد جزیہ کے تحت معاہدہ ہو یا حاکم کی طرف سے اس کے لئے سکوت ہو یا اسے کسی مسلمان کی امان حاصل ہو۔

مذکورہ بالا بحث سے ظاہر ہوا کہ نجران کے عیسائی اور ہجر کے مجوس کو حربی

سمجھنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے معاہد تھے جیسا کہ استفتاء میں مذکور روایت کے الفاظ سے واضح ہے اور کتب لغت اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تعریف سے ظاہر ہوا کہ جو معاہد ہو وہ ذمی ہوتا ہے۔ لہذا نجران کے عیسائی اور ہجر کے مجوس حربی نہ تھے بلکہ ذمی تھے۔

نیز اب ہم چند معتبر کتب کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ جن سے روز روشن کی طرح عیاں ہوجائیگا کہ نجران کے عیسائیوں اور ہجر کے مجوسیوں سے مسلمانوں کا باقاعدہ معاہدہ ہوا تھا جس کے تحت یہ لوگ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتے تھے۔ استشہاد کے طور پر صرف دو تین حوالہ جات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

امام ابن سعد نے طبقات کبری میں لکھا کہ،

"وکتب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لأسقف بني الحارث بن كعب وأساقفة نجران وكهنتهم ومن تبعهم ورهبانهم أن لهم ماتحت أيديهم من قليل وكثير، من بيعهم وصلوتهم ورهبانهم وجوارالله ورسوله، لايغير أسقف عن أسقفيته، ولا راهب عن رهبانيته، ولا كاهن عن كهانته، ولايغير حق من حقوقهم، ولاسلطانهم ولاشيء مماكانوا عليه، مانصحوا وأصلحوا فيما عليهم غير مثقلين بظلم ولاظالمين."

(الطبقات الکبری لابن سعد ج ۱ ص ۲۶۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسقف بنی حارث بن کعب ،نجران کے پادریوں وکاہنوں اوران کے متبعین وراہبوں کولکھا کہ جو کچھ ان کی ملکیت تھا خواہ کثیر ہو یا قلیل ،کلیسا ،عبادت گاہ ،رہبانیت اوراللہ ورسول کی امان ،تو وہ ان کے لئے ہے،کسی پادری کواس کے عہدے سے نہ ہٹایا جائے ،نہ کسی راہب کو،نہ ہی کسی کاہن کو،اوران کے حقوق میں سے کوئی حق نہ بدلا جائے،نہ ان کے اعزاز کونہ کسی چیز کو جس پر وہ قائم تھے جب تک وہ نصیحت اوراصلاح پر قائم رہیں ظلم کیساتھ مجبور کئے بغیر نہ ظلم کرتے ہوئے۔

سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ **باب الجزیۃ والموادعۃ مع أھل الذمۃ والحرب** میں روایت کرتے ہیں،

”ولم یکن عمر أخذ الجزیۃ من المجوس، حتی شھد عبدالرحمٰن بن عوف : أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم أخذھامن مجوس ھجر.“

ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس سے جزیہ قبول نہیں فرمایا جب تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی نہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، ر:۳۱۵۶، ۳۱۵۷، ص ۵۲۵، دارالسلام ریاض)

امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح مشکل الآثار میں مجوس ہجر سے جزیہ لینے کی تین روایات رقم فرمائی ہیں، اختصار کے پیش نظر صرف ایک نقل کی جاتی ہے۔

حدثنا یونس قال: أخبرنا ابن وهب، قال: أخبرني یونس، عن ابن شهاب قال: حدثني سعید بن المسیب أن رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم أخذ الجزیة من مجوس هجر، وأن عمربن الخطاب أخذها من مجوس السواد، وأن عثمان أخذها من بربر.

(حدیث نمبر ۲۰۳۱ شرح مشکل الآثار مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ)

ترجمہ: یونس نے کہا، ہمیں خبر دی ابن وھب نے، انہوں نے کہا مجھے خبر دی یونس نے، انہوں ابن شہاب سے روایت کیا، انہوں نے کہا مجھے سعید بن میسّب نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجوس ہجر سے جزیہ لیا کرتے، اور حضرت عمر بن خطاب نے مجوس سواد سے جزیہ لیا، اور حضرت عثمان بربری مجوسیوں سے جزیہ لیا کرتے۔

مذکورہ بالا دونوں روایات میں سے پہلی روایت سے ثابت ہوا کہ نجران کے عیسائی ذمی تھے اور دوسری روایت سے ثابت ہوا کہ ہجر کے مجوس بھی ذمی تھے،

اوروہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں باقاعدہ جزیہ ادا کرتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ معترضین نے استفتاء میں مذکورروایت امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مبسوط سے لی اوراس سے استدلال کیا کہ نجران کے عیسائی اورہجر کے مجوس حربی تھے، حالانکہ اسی کتاب کی دسویں جلد''باب فی توظیف الخراج''میں امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں لکھا کہ:

'' قال رضی الله عنه واذاجعل الامام قومامن الكفارأهل ذمة وضع الخراج على رؤس الرجال على الارضين بقدرالاحتمال. اماخراج الرؤس ثابت بالكتاب والسنة ، أماالكتاب فقوله سبحانه وتعالىٰ حتى يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون واما السنة ماروى أن النبى صلى الله عليه وآله وسلم أخذالجزية من مجوس هجر وأخذالحلل من نصارى نجران وكانت جزية وقال سنوابالمجوس سنة أهل الكتاب يعنى فى أخذالجزية منهم .''

(المبسوط، کتاب السیر ،الجزء۱۰ ص۷۷ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا،اور جب حاکم اسلام کسی علاقہ کے کفار کو اہل ذمہ بناتا ہے تو ان کے مردوں پر ان کی زمینوں کی آمدنیوں کے اعتبار سے جزیہ مقرر کرتا ہے،اورخراج لینا کتاب اللہ

وسنت سے ثابت ہے، رہا کتاب سے ثبوت، تو اللہ تعالیٰ کا فرمان
''یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں ذلیل ہوکر'' جبکہ سنت
سے ثبوت وہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ہجر سے
جزیہ لیا، اور نجران کے عیسائیوں سے حلّے لیے، اور یہ جزیہ ہی تھا، اور
فرمایا مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب سا برتاؤ کرو، یعنی ان سے جزیہ
لینے میں۔

المختصر مذکورہ بالا بحث سے ظاہر ہوا کہ مجوس ہجر اور نصاری نجران کو حربی کہنا درست نہیں۔ چنانچہ یہ دعوی کرنا سراسر غلط ہے کہ جب حربیوں کو سود کی اجازت نہیں دی تو مسلمان کو کس طرح اجازت ہوسکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۲ : کیا امام اعظم کا مؤقف مرسل حدیث پر مبنی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے؟

امام اعظم نے جس حدیث سے استدلال کیا وہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اس سے مراد ممانعت ہے جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''مرسل ضعیف فلاحجة فيه ، ولو صح لتأولناه على أن معناه لايباح الربافي دارالحرب ، جمعابين الأدلة''

(المجموع شرح المہذب ۳۹۲/۹، دارالفکر بیروت)

ترجمہ: یہ حدیث مرسل ضعیف ہے اس میں کوئی حجت نہیں، اور اگر صحیح مانا جائے تو ہم اس معنی پر تاویل کریں گے کہ دارالحرب میں ربا مباح

نہیں، دونوں دلائل کو جمع کرتے ہوئے۔

یعنی اس حدیث شریف میں لا نفی کا نہیں بلکہ نہی کا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ دارالحرب میں بھی مسلمان کو سود لینے کی اجازت نہیں۔ نیز اس باب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبل ہجرت قمار سے استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ اس حوالے سے جتنی روایات وارد ہوئی ہیں وہ ایک دوسرے سے متضاد ہونے کی وجہ سے سخت قسم کے اضطراب پر مبنی ہیں اور مضطرب حدیث سے استدلال درست نہیں ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ نیز اسے درست مان لیا جائے تو یہ واقعہ قمار کے نسخ سے پہلے کا ہے لہذا یہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ خود اس مال کو قبول فرمایا اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لینے دیا بلکہ یہ فرمایا کہ یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کردو۔

جواب: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف پر دوسرا اعتراض شافعیہ اور بعض دیگر حضرات کے مذہب کے مطابق کیا گیا ہے، جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے اور امام اعظم نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ مرسل ہے، اس لئے امام اعظم کا مؤقف ضعیف حدیث پر مبنی ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء نہیں، حالانکہ یہ بات اہل علم کے نزدیک مسلّم ہے کہ معترض کے اصول خصم کے خلاف حجت نہیں ہیں۔ لہذا غیر حنفیہ کے مؤقف کو لے کر حنفیہ پر اعتراض کرنا قابل اعتناء نہیں۔

حدیث مرسل

یہاں ہم حدیثِ مرسل سے متعلق طویل بحث سے بچتے ہوئے صرف محدثین کے نزدیک حدیثِ مرسل کی فنی حیثیت اور ائمہ حنفیہ کا مؤقف بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے۔ ائمہ حدیث کے اس حوالے سے پانچ مؤقف ہیں جو درج ذیل ہیں،

۱۔ حدیث مرسل سے احتجاج کرنا مطلقا جائز ہے۔ ۲۔ حدیث مرسل سے احتجاج کرنا مطلقا ناجائز ہے۔

۳۔ اگر اہل قرون ثلاثہ نے ارسال کیا ہے تو اس سے احتجاج کرنا جائز ہے۔

۴۔ اگر مرسل راوی صرف عادل سے روایت کرتا ہے تو اس کی حدیثِ مرسل مقبول ہے۔ ۵۔ صرف صحابی کا ارسال مقبول ہے۔

حدیث مرسل سے متعلق مذکورہ بالا آراء میں سے پہلی رائے اکثر متقدمین علماء کی رائے ہے اور یہ ہی امام اعظم کا مؤقف ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں،

> جہاں تک حدیثِ مرسل کا تعلق ہے تو تحقیق اکثر متقدمین علماء مثل سفیان ثوری، مالک اور اوزاعی اس سے احتجاج کو روا رکھتے تھے۔ پھر امام شافعی آئے اور انھوں نے اس کے متعلق کلام فرمایا جس کی پیروی امام احمد اور دیگر لوگوں نے کی۔
>
> (رسالۃ الامام أبی داؤد السجستانی الی أھل مکۃ فی وصف سنتہ ص۳۲،

دارالبشائرالاسلامیہ، بیروت)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ مشائخ کوفہ کا مؤقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

تابعین، تبع تابعین اوران کے بعد کے علماء میں سے جو بھی ارسال کرے توان (مشائخ کوفہ) کے نزدیک ایسی مرسل روایت قابل احتجاج ہے۔

(معرفۃ علوم الحدیث، ذکرالنوع الثامن من علوم الحدیث، ص ۲۶، داراحیاءالعلوم بیروت)

شمس الأئمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

وهذاالحديث وان كان مرسلافمكحول فقيه ثقة والمرسل من مثله مقبول وهو دليل لابى حنيفة ومحمد رحمهما الله فى جواز بيع المسلم الدرهم بالدرهمين من الحربى فى دارالحرب.

ترجمہ: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے،لیکن مکحول فقیہ وثقہ ہیں،اوران کے مثل کی مرسل حدیث بلاشبہ مقبول ہے،اور یہ حدیث دلیل ہے امام اعظم وامام محمد رحمہما االلہ کی مسلمان کے حربی کو دارالحرب میں دو درہم کے بدلے ایک درہم بیچنے کے بارے میں۔

پھر مزید رقم فرمایا:

وكذلك لوباعهم ميتة أو قامرهم وأخذ منهم مالا

بـالـقـمـار فذلک المال طیب له عندابی حنیفة ومحمد رحمهماالله .

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، الجز۱۴ص ۵۶ دارالمعرفۃ بیروت)

ترجمہ: اور یہی حکم ہے کہ اگر مسلمان حربیوں کو مردار بیچے، یا ان سے شرط لگائے اور شرط کی بناء پر مال لے لے تو یہ مال مسلمان کے لئے حلال وطیب ہے امام اعظم اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک۔

لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف پر حدیثِ مرسل کا اعتراض کرنا بے وقعت اعتراض ہے کہ امام اعظم و دیگر کبار محدثین وفقہاء کے نزدیک حدیثِ مرسل سے استدلال کرنا جائز ہے۔

نیز امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث **''لاربابین المسلم والحربی''** میں **''لا یباح''** کی تاویل کرنا ائمہ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ یہ بلاوجہ حدیث کے ظاہر کو چھوڑنا ہے حالانکہ دیگر بعض روایات اسی ظاہر حدیث کی مؤید ہیں جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قبل ہجرت کفارِ مکہ سے قمار کرنا متعدد روایات سے ثابت ہے جس کا محدثین میں سے کسی نے بھی آج تک انکار نہیں کیا۔

اعتراض ۳: کیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قمار کی روایات مضطرب ہیں؟

بعض علماء نے لکھا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قمار کی روایات مضطرب ہیں اس لئے قابل استدلال نہیں۔

جواب: یہ بات درست ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں مختلف راویوں نے مختلف باتیں ذکر کیں، مثلاً شرط میں لگائے جانے والے اونٹوں کی تعداد میں اختلاف، شرط کی مدت میں اختلاف، جیتنے اور ہارنے میں اختلاف، نیز اونٹوں کو مال سحت (ناپاک) قرار دینے میں اختلاف، مگر ان تمام اختلافات کے باوجود کسی محدث نے آج تک ان روایات کو مضطرب کہہ کر رد کرنے کی جرأت نہیں کی، کیونکہ کسی حدیث پر مضطرب کا حکم لگانے کے لئے نہایت وسیع علم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس حدیث سے متعلق غلط فہمی کے ازالے کے لئے ہم حدیث مضطرب کے بارے میں کچھ وضاحت کرنا چاہیں گے۔

حدیثِ مضطرب کیا ہے؟

محدثین کی اصطلاح کے مطابق حدیثِ مضطرب ایسی روایت کو کہا جاتا ہے کہ جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو کہ جسے نہ تو تطبیق دی جاسکتی ہو اور نہ ترجیح۔ چونکہ زیر بحث مسئلہ میں متن حدیث میں اختلاف کی وجہ سے حدیث قمار ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مضطرب کہا گیا ہے، لہذا اسی حوالے سے وضاحت کرنا چاہوں گا کہ اگر کسی روایت کے متن میں ایسا شدید اختلاف پایا جائے جسے نہ تو تطبیق دی جاسکتی ہو اور نہ ہی ترجیح، تو عموماً وہ حدیث مضطرب ہی کی تعریف میں داخل کی جاتی ہے، مگر محدثین کے نزدیک بعض اوقات کسی حدیث میں

شدید اختلاف کی تطبیق وترجیح ممکن نہ ہونے کے باوجود بھی اسے حدیث مضطرب نہیں کہا جاتا، جبکہ وہ اختلاف اصل حدیث کی طرف نہ آتا ہو۔ اس کی مثال فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دن بارہ دینار میں ایک ہار خریدا جس میں سونا اور گھونگے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس ہار کے سونے اور گھونگوں کو الگ کیا تو میں نے بارہ دینار سے زیادہ سونا پایا۔ پس میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی خدمت میں عرض کی۔ ارشاد فرمایا کہ نہ بیچا جائے اس کو جب تک اس کو (یعنی سونے اور گھونگوں کو) جدا نہ کرلیا جائے۔ بعض روایات میں تو فضالہ کے خریدنے کا ذکر ہے، اور بعض روایات میں کسی اور نے اس کے خریدنے سے متعلق سوال کیا، بعض روایات میں سونے اور دھاگے کا ذکر ہے، اور بعض میں سونے اور جواہر کا، بعض میں ایسے گھونگوں کا ذکر ہے جو سونے میں لٹکے ہوئے تھے۔ بعض میں بارہ دینار کا ذکر ہے اور بعض میں نو دینار کا اور بعض میں سات دینار کا۔

(۱۴۱۱) حدیث: فضالة بن عبید اتی النبی صلی الله علیه وآله وسلم وهو بخیبر بقلادة فیها خرز الحدیث مسلم وابوداؤد.............................. وله عندالطبرانی فی الکبیر طرق کثیرة جدافی بعضها قلادة فیها خرز وذهب وفی بعضها ذهب وجوهر وفی بعضها

خرز ذهب وفي بعضها خرز معلق بذهب وفي بعضها باثني عشر دينارا وفي اخرى بتسعة دنانير وفي اخرى بسبعة دنانير واجاب البيهقي عن هذا بانهابيوعاكانت شهدهافضالة قلت والجواب المسددعندي ان هذاالاختلاف لايوجب ضعفابل المقصودمن الاستدلال محفوظ لااختلاف فيه وهوالنهي عن بيع مالم يفصل واماجنسهاوقدرثمنهافلايتعلق به في هذه الحالة مايوجب الحكم بالاضطراب

ترجمہ: حدیث: فضالۃ بن عبید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے مقام پر ایک ہار لے آئے جس میں گھونگھے لگے تھے، مسلم وابوداؤد ــــــــــــــــــ۔اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں متعدد طرق سے نقل کیا ہے، بعض روایت میں ہے کہ ہار میں گھونگھے اور سونا تھا، اور بعض میں ہے سونا اور جواہر تھے، اور بعض میں ہے سونے کا گھونگھا تھا ، اور بعض میں ہے گھونگھا سونے میں جڑا ہوا تھا، اور بعض روایت میں ہے کہ بارہ دینار کا خریدا، اور ایک روایت میں نو دینار کا خریدا، اور ایک دوسری روایت میں سات دینار میں خریدا، اور امام بیہقی نے اس کا جواب دیا کہ یہ مختلف سودے ہیں جن کا فضالۃ نے مشاہدہ کیا، میں یہ کہتا ہوں کہ صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ اختلاف حدیث

میں ضعف پیدا نہیں کرتا بلکہ جس حصے سے استدلال مقصود ہے وہ محفوظ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور اس ہار سے سونے کو جدا کیے بغیر بیچنے کی ممانعت ہے، جبکہ جنس اور قدر کا اس سے کوئی تعلق نہیں، تو اس صورت میں حدیث پر اضطراب کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(التلخیص الحبیر ج۳ ص ۹ مطبوعہ: مؤسسہ قرطبہ)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف حدیث میں ضعف (یعنی اضطراب) کا سبب نہیں ہے بلکہ اس حدیث کے جس حصے سے استدلال مقصود تھا وہ محفوظ ہے اور اس میں اختلاف نہیں اور وہ اس قسم کی اشیاء کو جدا کئے بغیر بیچنے کی ممانعت ہے۔ جہاں تک اس کی جنس اور ثمن کا تعلق ہے استدلال کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ جو اضطراب کا سبب بنے۔

بعینہ یہی معاملہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قمار سے متعلق روایات کا ہے کہ اگر چہ اس واقعہ سے متعلق روایات میں اونٹوں کی تعداد، مدت قمار، اور ہار و جیت وغیرہ کے معاملات میں اختلاف ہے مگر یہ اختلاف حدیث کے اس حصے میں نہیں جس سے استدلال مقصود ہے اور وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں بلا نکیر بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازتِ قولی سے حربی کافر سے عقد قمار کرنا ہے کیونکہ تمام روایات اس واقعہ کے حوالے سے تو متفق ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کے نزدیک ان روایات کو مضطرب کہہ کر ضعیف قرار دینا درست

نہیں ہے۔

مال کے معصوم ہونے اور غیر معصوم ہونے کے اعتبار سے احکام میں فرق

پھر بعض علماء نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی تضعیف کے لئے اس بات کا سہارا لیا کہ اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قمار سے متعلق روایات کو درست مان بھی لیا جائے تو بھی یہ واقعہ حربیوں سے قمار کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا کہ قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی جو مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ راقم الحروف کے خیال میں امام اعظم سے اختلاف کرنے والے علماء کا یہ استدلال بھی اپنے گذشتہ اعتراضات کی طرح کمزور اور بے وزن ہے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مستدل تو حدیث **"لا ربا بین المسلم والحربی"** ہے نہ کہ حدیثِ قمار۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تو فقہاء حنفیہ نے امام اعظم کے مؤقف کی تائید میں بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ اب خواہ حرمتِ قمار کا حکم قبل ہجرت ہو یا بعد ہجرت، اس سے سیدنا امام اعظم کے مؤقف کو کوئی ضرر نہیں، کیونکہ یہ حکم اسی پر لاگو ہوگا جو مسلمانوں کی ولایت کے تحت ہو جبکہ امام اعظم حدیث لا ربا کے ظاہر کے مطابق غیر مسلم حربی سے قمار کے قائل ہیں نہ کہ ہر غیر مسلم سے، اور اہل علم جانتے ہیں کہ علماء اسلام کے نزدیک حربی کافر اور غیر حربی کافر یعنی ذمی و مستامن کے احکام میں فرق ہے۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قمار کی ممانعت دارالاسلام میں

مسلمان وذمی ومستامن سب سے ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی امان میں ہیں، اور اس امان کی وجہ سے ان کا مال معصوم ہوگیا، جبکہ حربی خواہ دارالحرب میں ہو یا کہیں اور، اس کے ساتھ ربا وقمار کی ممانعت نہیں کہ وہ مسلمانوں کی امان میں نہیں چنانچہ اس کا مال غیر معصوم ہونے کی وجہ سے اباحت اصلی پر باقی ہے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قمار میں جیتا ہوا مال واپس کروادیا تھا؟

بعض علماء جنھوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث قمار کو مضطرب کہہ کر رد کردیا حالانکہ انھیں علماء نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے رد میں ایک دلیل یہ بھی لکھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قمار میں جیتا ہوا مال نہ خود لیا اور نہ حضرت ابوبکر صدیق کو لینے دیا بلکہ اس مال کو ناپاک وحرام فرمایا اور اسے صدقہ کروادیا۔ مگر راقم الحروف کے خیال میں یہ دلیل خود ان معترض علماء کے نزدیک بھی مردود ہے کیونکہ ان حضرات نے خود لکھا کہ ''سیدنا ابوبکر صدیق کے قمار کے حوالے سے روایات مختلف ہیں چنانچہ ان روایات کے اضطراب کی وجہ سے ان روایات سے استدلال درست نہیں۔'' جب خود ان روایات کو اضطراب کی وجہ سے نا قابل استدلال قرار دے چکے تو اب ان روایات سے استدلال کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قمار کے حوالے سے یہ وضاحت کرنا چاہوں گا کہ بعض روایات کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس قمار میں ہار گئے

تھے۔ جس پر مسلمانوں کو شرمندگی ہوئی۔ اور امام ترمذی نے ہارنے ہی کی روایت ذکر کی ہے، جبکہ بعض محدثین ومفسرین نے آپ کے جیت جانے کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے واقعہ کے اس حصے کی روایت میں شدید اختلاف واقع ہوا جس کی وجہ سے ہار وجیت کا معاملہ یقیناً مضطرب و نا قابل استدلال ہے، جبکہ قمار کے وقوع میں سب کا اتفاق ہے اور یہ حصہ اضطراب سے پاک ہے اور یہی موضع استدلال بھی ہے۔ چنانچہ یہ اعتراض بھی گذشتہ اعتراضات کی طرح بے وزن ہے۔

اعتراض ۴: کیا حربی سے مراد بالفعل حربی ہونا ضروری ہے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ حدیث لا ربوا میں حربی سے مراد محض غیر ذمی کافر نہیں ہے بلکہ برسر جنگ قوم کا ایک فرد مراد ہے اور جس قوم کے ساتھ جنگ قائم ہوا سے ہر طرح سے جانی اور مالی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اسی لئے اس قوم کے کسی حربی کافر سے اگر کسی مسلمان نے سودی معاملہ کے ذریعہ اس کا مال لے لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائیگا۔

جواب: اس اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ: ا۔ حدیث لا ربوا کی رو سے صرف ان حربی کافروں سے قمار و ربا جائز ہے کہ جن سے مسلمان کی بالفعل جنگ چھڑی ہوئی ہو۔ ۲۔ نیز اس قسم کے کفار کو ہر طرح کا جانی و مالی نقصان پہنچانا جائز ہے۔

راقم الحرف کے خیال میں یہ دونوں ہی باتیں درست نہیں ہے۔ پہلی بات

اس لئے درست نہیں ہے کہ ان علماء نے حربی کی جو تعریف بیان کی ہے وہ چودہ سو سال میں کسی فقیہ کے ذہن میں نہ آئی، اس لئے کسی فقیہ نے آج تک بالفعل اور بالقوۃ متحارب کا فرق نہیں کیا، بلکہ عموماً فقہاء کرام رحمھم اللہ نے مطلق حربیوں کے احکام بیان کئے ہیں۔ نیز اگر کوئی کافر بالفعل جنگ کے لئے سامنے موجود ہو تو اس سے جہاد کیا جائیگا یا کاروبار؟

دوسری بات اس لئے غلط ہے کہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ متعدد روایات میں مجاہدین کے لئے یہ حکم بیان ہوا کہ اہل حرب میں سے جو لوگ جنگ نہ کریں مثلاً بوڑھے، عورتیں، بچے اور عبادت گزار، تو ان لوگوں سے تعرض نہ کیا جائے۔

اعتراض ۵: کیا امام کاسانی کا استدلال غلط ہے؟

بعض علماء نے امام اعظم کے موقف کا رد کرتے ہوئے لکھا کہ،

نیز امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو دلیل پیش کی ہے کہ "حربی کا مال معصوم نہیں بلکہ فی نفسہ مباح ہے، ہاں البتہ مسلمان مستامن کو منع ہے کہ ان کی رضا کے بغیر ان کے مال کا مالک بنے کیونکہ اس میں غدر و خیانت ہے۔ پس اگر حربی اپنے اختیار و رضا کے ساتھ خود دے تو ممانعت کی وجہ زائل ہو جائیگی۔ چنانچہ اب مسلمان کا اس مال کو لینا مال مباح غیر مملوک کو لینا ہے۔ اور یہ شرعاً درست ہے کہ جس طرح کہ جنگل سے گھاس و لکڑیاں لینا جائز ہے۔" درست نہیں۔ کیونکہ اس دلیل کو درست مان لیا جائے جائے پھر حربی مستامن سے بھی یہ چیزیں

جائز ہونا چاہیے حالانکہ کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں چنانچہ دارالحرب میں بھی یہ کام درست نہیں۔

جواب: مذکورہ بالا سطور میں امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا وہ اصول کے عین مطابق ہے مگر معترضین نے بلاوجہ ایک الزامی جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس الزامی جواب کے تفصیلی رد کے بجائے راقم الحروف صرف اسی بات کی وضاحت کرنا پسند کریگا کہ جس کی وجہ سے معترضین کے اذہان میں یہ اعتراض پیدا ہوا۔ معترضین نے دارالحرب میں امان لے کر جانے والے مسلمان اور دارالاسلام میں امان لے کر آنے والے حربی کافر میں فرق نہیں کیا، اور دونوں کے معاملے کو ایک سا سمجھ کر ایک ہی حکم لگا دیا۔ اگر معترضین کچھ غور وفکر سے کام لیتے تو اس پر واضح ہو جاتا کہ حربی مستأمن سے عقودِ فاسدہ یا عقدِ قمار یا عقدِ ربا کرنا اس لئے منع ہے کہ وہ مسلمانوں کی امان میں ہے ، اور جب وہ مسلمانوں کی امان میں آ گیا تو اس کا مال غیر معصوم نہ رہا۔ لہذا اب مسلمان کے لئے بلاوجہ شرعی یا عقودِ فاسدہ مثل قمار و ربا کے، اسکا مال لینا جائز نہ رہا جبکہ دارالحرب میں کفار کا مال اپنی اصل کے مطابق مباح ہی رہا۔ اس کے برعکس کفار کی جانب سے مسلمان کو امان دینے سے کفار کے مال کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چنانچہ مسلمان ان کے یہاں معروف طریقوں مثل عقودِ فاسدہ و قمار و ربا سے انکی رضامندی کے ساتھ ان کا مال لے سکتا ہے۔ جبکہ دارالاسلام میں ذمی یا مستأمن کے ساتھ یہ معاملہ کرنا عصمتِ مال کی وجہ سے منع ہے جیسا کہ

علامہ سرخسی انھیں دونوں معاملات میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”وبه فارق المستأمنين فی دارنا لان أموالهم صارت معصومة بعقد الأمان فلايمكنه أخذها بحكم الاباحة .“

ترجمہ: اور اس دلیل سے حکم جدا ہو گیا ہمارے دار میں امن لے کر آنے والے کافروں کا، کیونکہ عقد امان کی وجہ سے ان کے اموال معصوم ہو گئے، چنانچہ اب اباحتِ اصلیہ کے تحت ان کا مال حاصل کرنا ممکن نہ رہا۔

(المبسوط للسرخسی، کتاب صلح الملوک والموادعۃ، الجز ۱۰ ص ۹۵ مطبوعہ: دارالمعرفۃ بیروت)

اعتراض ۶: کیا غیر مسلم سے عقد فاسد کے ذریعے مال لینا یہود کے طرز عمل کے مثل ہے؟

غیر مسلموں سے سود کے جواز کا قول یہودیوں کے قول کے مثل ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم یہودیوں کے درمیان سود حرام ہے اور غیر یہودی سے لینا جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی مشابہت سے منع فرماتا ہے۔

جواب: مذکورہ بالا اعتراض کے جواب سے پہلے یہ وضاحت کرنا چاہوں گا کہ شریعت کسی شخص کے مرتب کردہ اخلاقی اصولوں یا قیاس کا نام نہیں بلکہ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تعلیمات کا نام ہے۔ اور ان تعلیمات سے جو متضاد ہو اگرچہ وہ دنیا والوں کی نظر میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو وہ

گمراہی وبے دینی ہے۔لانه قال عليه الصلوة والسلام خير هدى هدى محمد صلى الله عليه وآله وسلم. رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں یہ انھیں کی تعلیم ہے کہ غیر مسلم حربی سے جو معاملہ ظاہری اعتبار سے سودی صورت میں کیا جاتا ہے وہ سود نہیں جیسا کہ حدیث لاربا میں بیان ہوا،تو پھر بلاوجہ اسے سود قرار دینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ اقدس کو چھوڑنا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ بلا دلیل کسی حدیث کو مرسل کہہ کر ضعیف قرار دینا یہ احناف کے اصولوں کے خلاف ہے۔فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ روایات درست ہیں اور ان میں کوئی ضعف نہیں۔ مذکورہ تقریر سے ظاہر ہوا کہ اسے یہودیوں کے مثل کہنا سراسر ظاہر بینی پر مبنی ہے، کیونکہ یہودیوں کے نزدیک غیر یہودی سے سود لینا جائز ہے جبکہ ہمارے نزدیک کسی سے بھی سود لینا جائز نہیں۔ ہاں البتہ جو اضافی رقم یا مال سود کے نام پر کسی غیر مسلم سے اس کی رضا سے مل رہا ہے وہ حدیث شریف کی روشنی میں سود ہے ہی نہیں، بلکہ وہ تو غیر مسلم حربی کا غیر معصوم مال ہے جو وہ اپنی رضا سے دے رہا ہے۔ لہذا ہم اسے لے سکتے ہیں جیسا کہ ائمہ حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہاں البتہ اگر لینے والا مسلمان اسے سود سمجھ کر لیتا ہے تو اس کی بری نیت سے وہ مال سود نہیں بن جائے مگر مالِ مباح کو بری نیت سے حاصل کرنے کی وجہ سے گنا ہگار ضرور ہوگا۔اور اس مسئلے کے نظائر کتب فقہیہ میں موجود ہیں مثلاً عالمگیری میں ہے کہ ''اگر کوئی پانی کو شراب کی نیت سے پیتا ہے تو اس کی بری نیت سے وہ

پانی شراب نہیں بن جائیگا مگروہ شخص اپنی اس نیت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔''
مذکورہ بحث سے ظاہر ہوا کہ اسے یہودیوں کے مثل کہنا سراسر ظاہر بینی ہے۔
اگراس ظاہر بینی کو درست مان لیا جائیگا تو کوئی یہ اعتراض بھی کرسکتا ہے کہ مسلمان حائضہ عورت کے معاملے میں یہودیوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ یہودیوں کے نزدیک عورت ان ایام میں ناپاک ہوتی ہے۔ اس لئے بیوی سے ان ایام میں قربت کرنا اوراس کا نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور مسلمان بھی اسی طرح کرتے ہیں لہذا مسلمان کا عورتوں سے برتاؤ یہودیوں کے برتاؤ سے مشابہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے اعتراضات کا وہی جواب ہے جو ہم نے لکھا کہ صورتاً مشابہت کی وجہ سے ایک ہی حکم لگا دینا درست نہیں۔

اعتراض ۷: تو کیا غیر مسلم حربی یا حربیہ سے اس کی مرضی سے زنا بھی جائز ہے؟ العیاذ باللہ

اگر غیر مسلم حربی سے اس کی مرضی سے سود جائز ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ غیر مسلم حربی یا حربیہ سے اس کی مرضی سے زنا بھی جائز ہوگا۔

جواب: اس اعتراض کے جواب میں اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ غیر مسلم حربی سے ظاہری سودی معاملے کے جواز کا قول کسی کی شخصی رائے نہیں ہے بلکہ صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف کی روشنی میں ہے، جبکہ زنا کے جواز سے متعلق کوئی روایت نہیں ہے۔ ثانیاً اگرچہ غیر مسلم حربی مباح الدم اور مال ہے مگر شرمگاہ کے معاملے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اس معاملے میں اصل

حظر وممانعت ہے۔لہذا شرمگاہ صرف اسی طریقے سے حلال ومباح ہوسکتی ہے جو شریعتِ مطہرہ نے بیان کیا ہے یعنی نکاح یا ملک سے۔امام اہل سنت اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں،

''دارالحرب میں غدر بالاجماع حرام یوہیں زنا **لعدم جریان الاباحۃ فی الابضاع** (کیونکہ شرمگاہ میں اباحت جاری نہیں ہے) فتح میں مبسوط سے بعد عبارتِ مذکورہ منقول **وبخلاف الزنا ان قیس علی الربا لان البضع لایستباح بالاباحۃ بل بالطریق الخاص اماالمال فیباح بطیب النفس بہ و اباحتہ** (بخلاف زنا کہ اگرچہ اسے سود پر قیاس کیا جائے کیونکہ شرمگاہ مباح کرنے سے مباح نہیں ہوتی بلکہ اس کا خاص طریقہ ہے جبکہ مال رضامندی سے اور مباح کرنے سے بھی حلال ہوجاتا ہے۔)''

(فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۸۹ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی)

اعتراض ۸: کیا امام اعظم اس مسئلے میں تنہا ہیں؟

اوراگر جواز کے قائلین کا استدلال درست بھی ہوتو بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور جمہور عدم جواز ہی کے قائل ہیں۔جمہور کی دلیل ربا کی حرمت پر عمومی نصوص ہیں جو حرمتِ ربا پر دلالت کرتی ہیں اوران نصوص میں دارالحرب اوردارالاسلام،اورنہ ہی مسلمان اورحربی کا کوئی فرق بیان کیا گیا ہے۔

جواب: بلاشبہ اس مسئلے میں علماء مجتہدین کا اختلاف ہے مگر جواز کے قائلین

میں بھی جلیل القدر محدثین وفقہاء کرام شامل ہیں۔ان علماء میں سیدنا ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، امام محمد بن حسن، امام احمد بن حنبل، عبدالملک بن حبیب وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین شامل ہیں۔ سیدنا امام اعظم، محمد بن حسن رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کسی پر مخفی نہیں کہ یہ بزرگ اس کے جواز کے قائل ہیں۔امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے شیخ ابن مفلح حنبلی نے اپنی فروع میں لکھا کہ ان سے بھی دارالحرب میں ربوی معاملے کے جواز کی روایت ہے۔

وقد روی عن احمد انه قال : لایحرم الربافی دارالحرب

.

اورامام احمد بن حنبل سے روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا،دارالحرب میں سودی معاملہ حرام نہیں۔

(الفروع لابن مفلح صفحہ ۱۴۷ ج ۴)

اسی قول پر شیخ ابن تیمیہ نے المحرر میں لکھا کہ،

الربامحرم فی دارالاسلام والحرب الابین مسلم وحربی لاامان بینهما.

(المحرر صفحہ ۳۱۸ ج ۱)

ترجمہ: سوددارالحرب اوردارالاسلام میں حرام ہے سوائے اس مسلمان اورحربی کے درمیان کہ جن کے درمیان امان کا معاملہ نہ ہو۔

اسی طرح مالکیہ میں بھی اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ابن رشد مالکی لکھتے

ہیں،

کذلک الربامع الحربی فی دارالحرب مکروه ولیس بحرام لانه لما جاز له ان یاخذ من ماله مالم یؤتمن علیه لم یحرم علیه ان یربی معه فیه .

(البیان والتحصیل صفحہ۲۹۱ ج ۱۷)

ترجمہ: اسی طرح حربی سے دارالحرب میں سودی معاملہ کرنا صرف مکروہ ہے حرام نہیں، کیونکہ جب مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کے مال سے لے جب تک اسے اس مال پر امین نہیں بنایا گیا ہو تو اسی طرح حربی کے ساتھ (بظاہر) سودی معاملہ کرنا بھی حرام نہیں۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے چاروں مذاہب میں سے تین مذاہب کے علماء کی ایک بڑی تعداد مسلمان اور حربی کے درمیان ربوی معاملے کے جواز کی قائل ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا یہ کہنا اس معاملے میں صرف امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ تنہا جواز کے قائل ہیں سراسر غلط ہے۔

اعتراض ۹: امام اعظم کے مؤقف کی خودساختہ وضاحت

بعض حضرات نے لکھا کہ ''امام اعظم نے جو یہ کہا ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربوٰ نہیں ہے ان کی بھی اس قول سے یہی مراد ہے کہ چونکہ دارالحرب مسلمانوں کی ولایت نہیں ہے اس لئے مسلمان حاکم وہاں

کسی مسلمان کے سود لینے پر اس کا مواخذہ نہیں کریں گے اور وہ اس کا مالک ہو جائیگا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے اور وہ اس پر اخروی عذاب کا مستحق ہے ،اس کی وضاحت علامہ سرخسی کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

وابوحنيفة يقول بالاسلام قبل الاحراز تثبت العصمة فى حق الامام دون الاحكام الاترى ان احدهما لواتلف مال صاحبه او نفسه لم يضمن وهو اٰثم فى ذلک وانما تثبت العصمة فى حق الاحكام بالاحراز والاحراز بالدار لا بالدين لان الدين مانع لمن يعتقده حرمته ومن لم يعتقده فلثبوت العصمة فى حق الاثم قلنا يكره لهما هذا الصنيع ولعدم العصمة فى حق الحكم قلنا لا يؤمر ان يرد ما اخذه لان كل واحد منهما انما يملک مال صاحبه بالاخذ .

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف فی دارالحرب، الجز ۱۴ص ۵۸ دارالمعرفۃ بیروت)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام کے حق میں ہے۔ احکام کے حق میں نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ان دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال یا اس کی جان تلف

کر دے تو اس پر ضمان نہ ہوگا حالانکہ وہ اس فعل کی وجہ سے گنہگار رہوگا، دراصل احکام میں عصمت صرف دارالاسلام میں رہنے سے ہوتی ہے، نہ کہ دین کی وجہ سے، کیونکہ دین تو حقِ شرع کے لحاظ سے ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس دین کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کو نہیں روکتا، اس کے برخلاف جب انسان دارالاسلام میں ہو تو اس کے مال کی حفاظت اس شخص سے بھی کی جائیگی جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اس دین کا اعتقاد رکھتا ہے، پس گناہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس اعتبار سے ہم نے کہا ان کا یہ فعل مکروہ ہے، اور قانون کے لحاظ سے عدم عصمت کی بناء پر (چونکہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے) ہم نے یہ کہا کہ اس کا لیا ہوا مال واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائیگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جب دوسرے کا مال لیتا ہے تو محض لینے کی وجہ سے ہی اس مال کا مالک ہو جاتا ہے۔

امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان دارالحرب میں کوئی عقدِ فاسد کرے تو وہ اس سے مالک تو ہو جائیگا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے۔علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

وان کانا اسلما ولم یخرجا حتی تبایعا بالربا کرهته ولم اردہ له وهو قول ابی حنیفة .

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف فی دارالحرب، الجز ۱۴ص ۵۸ دارالمعرفۃ بیروت)

ترجمہ: اگر دو حربی مسلمان ہو جائیں اور دارالحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کروں گا اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔''

ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان آپس میں سود لیں یا مسلمان حربی کافر سے سود لے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائے گا لیکن سود لینے والا مسلمان بہرحال گناہگار ہوگا۔''

جواب: ان حضرات نے مذکورہ بالا عبارت میں دو امور بیان کئے ہیں:

۱۔ اگر دارالحرب میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے سودی معاملہ کرے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائیگا لیکن سود لینے والا مسلمان بہرحال گناہ گار ہوگا۔

۲۔ اگر دارالحرب میں کوئی مسلمان کافر حربی سے بھی سود کا معاملہ کرے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائیگا لیکن سود لینے والا مسلمان بہرحال گناہ گار ہوگا۔

ان میں سے پہلا امر تو ہمارے نزدیک بھی مسلّم ہے کہ مسلمانوں کے مابین سودی معاملہ جائز نہیں اگرچہ وہ حربی ہوں اور یہی علامہ سرخسی کی عبارت سے ظاہر ہے، لیکن دوسرا امر کہ حربی کافر سے بھی سودی معاملہ کرنا گناہ اور استحقاقِ

عذاب کا مُوجِب ہے، مذکورہ بالا عبارت کے کس حصے سے ثابت ہے؟ یہ ہمیں سمجھ نہیں آیا کیونکہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں عبارتیں صرف مسلمانوں کے متعلق ہیں ان میں کافر کے حوالے سے مسئلہ نہیں بیان کیا گیا۔ نیز یہ کہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بلاوجہ ترتیب بدل کر اور درمیانی عبارت کو حذف کر کے پیش کیا گیا حالانکہ یہ دونوں عبارتیں مبسوط کی چودھویں جلد کے صفحہ نمبر ۵۸ پر ایک ہی معاملے (یعنی مسلمان کا مسلمان سے درالحرب میں سودی معاملہ کرنے) سے متعلق بیان فرمائی گئی ہیں ۔ ہم پوری عبارت اسی ترتیب لکھ رہے ہیں جیسا کہ امام سرخسی نے رقم فرمائی اور درمیان سے حذف کی گئی عبارت کو ہائی لائٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ عبارت درج ذیل ہے۔

وان كانا اسلما ولم يخرجا حتى تبايعا بالربا كرهته ولم ارده له وهو قول ابى حنيفة وقال ابويوسف ومحمد رحمهماالله يرده والحكم فيهاكالحكم فى التاجرين أماعلى أصل ابى يوسف فقط فظاهر لانه لايجوز هذا العقد بين المسلم والحربى فكيف يجوز بين المسلمين ومحمد يقول مال كل واحد منهما معصوم عن التملك بالأخذ ألاترى أن المسلمين لوظهروا على الدار لايملكون مالهما بطريق الغنيمة وانما يتملك أحدهما مال صاحبه بالعقد بخلاف

مال الحربی وابوحنیفة یقول بالاسلام قبل الاحراز تثبت العصمة فی حق الامام دون الاحکام الاتری ان احدهما لواتلف مال صاحبه او نفسه لم یضمن وھو اثم فی ذلک وانما تثبت العصمة فی حق الاحکام بالاحراز والاحراز بالدار لا بالدین لان الدین مانع لمن یعتقده حرمته ومن لم یعتقده فلثبوت العصمة فی حق الاثم قلنا یکره لھما ھذا الصنیع ولعدم العصمة فی حق الحکم قلنا لا یؤمر ان یرد ما اخذه لان کل واحد منھما انما یملک مال صاحبه بالاخذ .

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف فی دارالحرب، الجز ۱۴ص ۵۸ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: اگر دو حربی مسلمان ہو جائیں اور دارالحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کرواؤں گا اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ نے فرمایا وہ لوٹائے گا، اور اس معاملہ میں حکم دو تاجروں کے مابین کا ہے ، بہرحال امام ابو یوسف کے اصول پر یہ حکم تو ظاہر ہے کہ یہ سودی معاملہ مسلمان اور حربی کے مابین جائز نہیں تو دو مسلمانوں کے مابین کس طرح جائز

ہوگا؟ جبکہ امام محمد فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا مال قبضہ سے ملکیت میں آنے سے معصوم ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر مسلمان کسی علاقہ پر غلبہ پائیں تو ان دونوں کے مال کے غنیمت کے طور پر مالک نہیں ہوجاتے، بلا شبہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مال کا عقد کے ذریعے مالک ہوجاتا ہے بخلاف حربی کے مال کے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں، کہ محفوظ کر لینے سے پہلے عصمت صرف امام کے حق میں ثابت ہوتی ہے نہ کہ احکام کے حق میں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر ان میں سے کوئی دوسرے کا مال یا عضو ضائع کر دے تو ضمان نہیں مگر وہ گناہ گار ہے، اور بلا شبہ عصمت احکام کے حق میں احراز (حفاظت) سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ دین سے، اس لئے کہ دین مانع ہے اس شخص کو جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو اعتقاد نہ رکھتا ہو، تو گناہ کے حق میں عصمت کے ثبوت کے لئے ہم نے اسے دونوں کے لئے مکروہ کہا، اور حکم کے حق میں عصمت ثابت نہ ہونے کی بناء پر ہم نے کہا کہ جو کچھ وہ لے چکا ہے اسے لوٹانے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک قبضہ کی بنا پر دوسرے کے مال کا مالک بن جاتا ہے"۔

شاید ان حضرات نے علامہ سرخسی کی اس عبارت کو اس لئے ترتیب بدل کر اور درمیانی عبارت کو حذف کر کے لکھا ہے کہ انھیں اپنا غلط موقف ثابت کرنا ہے،

یعنی مسلمان اور حربی کافر کے درمیان بھی ربوی معاملہ ناجائز اور اخروی عذاب کا موجب ہے، کیونکہ یہ حضرات علامہ سرخسی کی اس عبارت کو بعینہ نقل کر دیتے تو سرسری نظر سے پڑھنے والے کو بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ عبارت صرف اور صرف دو مسلمانوں کے درمیان سودی معاملہ کرنے سے متعلق ہے اور قاری سمجھ جاتا کہ اس سے مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سودی معاملے کی حرمت ثابت نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت میں "**بخلاف مال الحربی**" سے ظاہر ہے۔ **العیاذ باللہ!**

پھر اس غلط تاویل کو لکھتے ہوئے انھیں علامہ سرخسی کی وہ عبارات نظر نہیں آئیں جو اسی صفحہ سے پہلے یعنی ۵۶ اور ۵۷ پر تھیں، جن عبارات میں امام سرخسی نے واضح لفظوں میں لکھا کہ فتح مکہ تک حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو سود لیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپس نہ کروایا، اور رکانہ کا واقعہ لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریوں کی شرط پر اس سے مقابلہ کیا اور اسے پچھاڑ کر اس کی بکریاں لیں اور پھر تألف قلب کے لئے واپس کر دیں۔ پھر اس سے امام اعظم کے مؤقف پر استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ:

وکذلک لو باعھم میتة أو قامرھم وأخذ منھم مالا بالقمار فذلک المال طیب له عندابی حنیفة ومحمد رحمھما اللہ .

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف فی دارالحرب، الجز

۱۴اص۵۸ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: اور یہی حکم ہے کہ مسلمان اگر حربیوں کو مردار بیچے یا ان سے شرط لگائے، اور شرط کی بنا پر ان سے مال لے تو وہ مال اس کے لئے حلال وطیب ہے امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک"۔

اسی صفحہ پر ہے،

وھذا دلیل علی جواز مثلہ فی دارالحرب بین المسلم والحربی وھذا لان مال الحربی مباح.

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف فی دارالحرب، الجز ۱۴اص۵۸ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: اور یہ دلیل ہے دارحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین اسی کی مثل معاملے کے جواز پر، اور یہ حکم اس لئے ہے کہ حربی کا مال مباح ہے"۔

اسی طرح انھیں وہ عبارت نظر نہ آئی جو ان کی نقل کردہ عبارت کے اگلے صفحے یعنی صفحہ نمبر ۵۹ پر ہے جس میں واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ کافر حربی کا مال اس طریقے سے لینا مباح ہے۔

ویستوی ان کان المسلم أخذ الدرھمین بالدرھم أو الدرھم بالدرھمین لانہ طیب نفس الکافربمااعطاہ قل ذلک أو کثر واخذ مالہ بطریق الاباحۃ کماقررنا.

ترجمہ: اور برابر ہے مسلمان خواہ ایک درہم کے بدلے میں دو درہم حاصل کرے یا دو درہم کے بدلے میں ایک درہم، کیونکہ وہ کافر کی اپنی خوشی ہے جو وہ دے رہا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، اور اس نے اس کا مال بطریق اباحت حاصل کیا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

ہماری پیش کردہ دونوں عبارات میں علامہ سرخسی نے کافر حربی سے بظاہر سودی یا قمار کا معاملہ کر کے جو مال لیا جائے اسے نا صرف مباح بلکہ پاک بھی قرار دیا اور مباح و پاک وہی ہوتا ہے جو نہ گناہ ہو اور نہ اس پر استحقاق عذاب۔ لہذا ان حضرات نے امام اعظم کے قول کی جو وضاحت کی ہے وہ سراسر خودساختہ اور امام اعظم کے مؤقف کے صریح خلاف اور تمام حنفی کتب فقہیہ کے معارض ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتناء نہیں ہے۔

اعتراض ۱۰ کیا امام اعظم کا یہ قول غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کے حق میں نہیں؟

امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول حربیوں کے متعلق ہے اور غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کے احوال پر منطبق نہیں ہوتا، کیونکہ جب کوئی مسلمان وہاں رہائش اختیار کرتا ہے تو وہ ان سے مختلف قسم کے معاہدے کرتا ہے لہذا اس کی حیثیت معاہد کی ہے۔

جواب: معترضین کا یہ اعتراض بھی گزشتہ اعتراضات کی طرح قلتِ مطالعہ پر مبنی ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے حربی یا دارالحرب کی تعریف

عمومی اعتبار سے کی ہیں، کسی خاص شخص کے تعلقات کے اعتبار سے نہیں کی۔ اور یہ عام سی بات ہے کہ دارالحرب میں بہت سے ایسے افراد ہوسکتے ہیں جو دارالاسلام میں بسنے والے بعض افراد کے دوست یا رشتے دار ہوں، لہذا ان لوگوں کی دوستی یا رشتہ داری سے دارالحرب دارالاسلام یا حربی شخص ذمی یا مستامن تو نہیں ہوجائیگا۔ اور اسی طرح اگر کوئی کافر ملک کسی یا بعض مسلمانوں کو اپنے ہاں بعض شرائط پر رہنے کی اجازت دیدے تو اس سے وہ دارالاسلام نہیں ہوجائیگا یا وہاں بسنے والے لوگ غیر حربی نہ ہوجائیں گے۔ نیز اسی اعتراض کو مدنظر رکھتے ہوئے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح لفظوں میں اس کی وضاحت بھی فرمائی ہے جیسا کہ درج ذیل حوالے سے ظاہر ہے۔

وهذا دليل على جواز مثله في دارالحرب بين المسلم والحربي وهذا لان مال الحربي مباح ولكن المسلم بالاستئمان ضمن لهم أن لايخونهم وان لايأخذ منهم شيأ الابطيبة أنفسهم فهو يتحرز عن الغدر بهذه الأسباب ثم يتملک المال عليهم بالأخذ لابهذه الأسباب وهذا لان فعل المسلم يجب حمله على أحسن الوجوه مأأمكن وأحسن الوجوه ماقلنا.

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف، الجزء۱۴ ص ۵۷۔ ۵۸ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: یہ جواز کی دلیل ہے اس قسم کے معاملات کی حربی اور مسلمان کے مابین دارالحرب میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حربی کا مال مباح ہے لیکن مسلمان اُس سے امن طلب کرنے کی وجہ سے اس بات کا ضامن ہوجاتا ہے کہ ان سے خیانت نہ کرے، اور ان کی کوئی چیز ان کی رضامندی کے بغیر نہ لے۔ چنانچہ وہ ان اسباب کی وجہ سے ان سے دھوکہ دہی سے گریز کرے گا، پھر ان کے مال (ان کی رضامندی سے) حاصل کرکے مالک ہوجائیگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے مسلمان کے فعل کو احسن وجوہ پر محمول کرنا واجب ہے اور احسن وجوہ وہ ہیں جو ہم نے بیان کیں۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ ان احسن وجوہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"وان بـايعهم المستأمن اليهم الدرهم بالدرهمين نقدا أو نسية أو بـايـعهـم فـى الـخـمـر والخنزير والميتة فلابأس بذلک فی قول أبی حنيفة ومحمد رحمهماالله تعالىٰ"

ترجمہ: اگر دارالحرب میں امان طلب کرکے جانے والا مسلمان انھیں ایک درہم دو درہم کے بدلے میں خواہ نقد بیچے یا ادھار، یا انھیں شراب، خنزیر یا مردار بیچے تو امام اعظم اور امام محمد رحمھما اللہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”وهـمـا يـقـولان هذا أخذ مال الكافر بطيبة نفسه ومعنى هـذا ان أمـوالهـم عـلـى أصـل الابـاحة الاأنـه ضمن أن لايـخـونهـم فهـو يستـرضيهم بهذه الأسباب للتحرز عن الغدر ثم يأخذ أموالهم بأصل الاباحة لاباعتبار العقد .“

(المبسوط للسرخسی، کتاب السیر ، باب صلح الملوک والموادعۃ، الجزء۱۰ ص۹۵ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: وہ دونوں (امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ) فرماتے ہیں کہ کافر سے اس کا مال اس کی خوشی سے لینا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اموال اباحتِ اصلیہ پر باقی ہیں سوائے یہ کہ مسلمان نے عہد کیا ہے کہ وہ ان سے خیانت نہیں کریگا چنانچہ وہ دھوکہ دہی سے بچتے ہوئے انھیں بیع وغیرہ کے ذریعے راضی کرتا ہے پھر اصل اباحت کے تحت ان کے اموال حاصل کرتا ہے نہ کہ عقد کے اعتبار سے۔

اعتراض ۱۱ کیا امام اعظم کا یہ قول صرف دارالحرب سے متعلق ہے؟

بعض علماء نے کہا کہ امام اعظم کے قول کے مطابق غیر مسلموں سے ربا وقمار کا جواز دارالحرب کے ساتھ مقید ہے اور دارالحرب وہ ہوتا ہے جس سے مسلمان عملا برسر جنگ ہوں، اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور جہاں کسی مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی جان، مال اور عزت

محفوظ نہ ہوں جیسا کہ کسی زمانے میں اسپین میں تھا۔۔۔۔جبکہ کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں ،تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں ، پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک آتے جاتے ہیں،مسلمانوں کی جان، مال اورعزت محفوظ ہے بلکہ وہاں مسلمانوں کواپنے مذہبی شعائر پرعمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقی مما لک یہ ملک دارالحرب نہیں بلکہ دارالکفر ہیں۔۔۔۔اس لئے یہاں مسلمانوں کے لئے سود کا لین دین کسی طرح سے جائز نہیں ہے۔اسی طرح یہاں کافروں کا مال عقودِ فاسدہ سے لینا بھی جائز نہیں۔

جواب: **اولا:** مذکورہ بالا اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم میں سود صرف دارالحرب میں متحقق ہوتا اور آج امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقی مما لک وغیرہ دارالحرب نہیں لہذا ان مما لک میں مسلمان کا غیر مسلم سے ربا وقمار وعقود فاسدہ کے ذریعے مال حاصل کرنا ناجائز ہے۔

اس بات سے قطع نظر مذکورہ بالا مما لک دارالحرب ہیں یا دارالاسلام، راقم الحروف سب سے پہلے اس بات کی وضاحت کرنا چاہے گا کہ ان حضرات نے مذکورہ بالا مما لک کو جس دلیل سے دارالحرب کی تعریف سے خارج کیا ہے وہ درست نہیں، کیونکہ عندالفقہاء اگر دارالحرب کے کفار یا ان کی حکومت مسلمانوں سے کسی موقع پر بعض معاہدات کرلےتو وہ ملک دارالحرب کی تعریف سے نہیں نکل جائیگا جیسا کہ شمس الأئمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں،

وان أراد قوم من أهل الحرب من المسلمين الموادعة سنين معلومة على ان يؤدى أهل الحرب الخراج اليهم كل سنة شيأمعلوما على ان لاتجرى أحكام الاسلام عليهم فى بلادهم لم يفعل ذلك الاان يكون فى ذلك خير للمسلمين لانهم بهذه الموادعة لايلتزمون أحكام الاسلام ولايخرجون من ان يكونوا أهل حرب .

(المبسوط للسرخسی، کتاب السیر ، باب صلح الملوک والموادعۃ، الجزء۱۰ ص۸۷، ۸۸ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: اگر اہلِ حرب مسلمانوں سے چند معلومہ سالوں کے لئے معاہدہ کریں کہ وہ ہر سال مسلمانوں کو مقررہ خراج ادا کریں گے اس شرط پر کہ ان پر احکامِ اسلام جاری نہ ہونگے تو ایسا معاہدہ نہ کیا جائے، سوائے یہ کہ اس میں مسلمانوں کے لئے بھلائی ہو کیونکہ وہ اس معاہدے کی وجہ سے احکامِ اسلامیہ کا التزام نہ کریں گے چنانچہ وہ لوگ اہل حرب کی تعریف سے خارج نہ ہونگے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ اگر چہ حربی لوگ یا حربی ملک مسلمانوں سے معاہدہ کر کے خراج بھی ادا کرے، مسلمانوں سے جنگ بھی نہ کرے تب بھی وہ حربی ہی رہیں گے کیونکہ ان پر احکامِ اسلامیہ جاری نہ ہوئے۔ لہذا ان حضرات کے مؤقف کی غلطی ظاہر ہوگئی۔

ثانیا: ان حضرات کا یہ ادعاء کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ربا وعقودِ فاسدہ کے جواز کا مسئلہ دارالحرب کے ساتھ مقید ہے، عندالمحققین درست نہیں۔ اس غلط فہمی کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ ان حضرات نے حدیث میں وارد لفظ ''ثمہ'' کو قید احترازی سمجھا حالانکہ فقہاء کرام کی عبارات سے ظاہر ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔ مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں،

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دارالحرب ہونا ضرور نہیں کما تشھد بہ مسائل المولی والشرکاء صرف انتفائے حقیقت وقصدِ ربا درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عنداللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفتِ شرع پر اقدام، علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستأمن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا ردالمحتار میں ہے قولہ ثمہ ای فی دارالحرب قید بہ لانہ لو دخل دارنا بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا عن المسکین، ھدایہ میں ہے لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محظورا بعقد الامان اھ ملخصا فتح القدیر میں مبسوط سے ہے اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان

غیر مسلم ۔۔۔ گنجائش ۔۔۔ حکم

بطريق الغدر فاذا لم ياخذ غدرا فباى طريق اخذه حل بعد كونه برضا بخلاف المستامن منهم عندنا لان ماله صار محظورا بالامان فاذا اخذه بغير الطريق المشروعة يكون غدرا بالجملہ حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کما سمعت انفا۔

(فتاوی رضویہ، کتاب البیوع ، باب الربا، ج ۷ ص ۸۸
مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاوی امجدیہ (جلدسوم صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی) میں اسی بات کی صراحت فرمائی کہ اس حدیث میں حربی کی قید اتفاقی ہے، طوالت کی وجہ سے وہ عبارت نقل نہیں کی گئی۔ بہرحال مذکورہ بالا تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ حربی خواہ دارالاسلام میں پایا جائے یا دارالحرب میں یا دارالکفر میں امام اعظم کے قول کے مطابق اس کے اور مسلمان کے مابین سود متحقق نہیں ہوتا۔

اعتراض ۱۲ کیا مورٹ گیج (Mortgage) میں مسلمان کا نقصان ہے؟

امام اعظم کے قول سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کے قول کے مطابق مسلمان کو حربی سے سود لینا جائز ہے نہ کہ دینا، اور جب مورٹ گیج پر کوئی چیز لی جائے گی تو مسلمان سود دینے والا ہوگا نہ کہ لینے والا اور یہ امام اعظم کے قول

کے برعکس ہے۔

جواب: پہلے تو اس بات کی وضاحت کردوں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے اور جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حربی اور مسلمان کے درمیان اس قسم کے معاملے کے جواز کا قول کیا ہے تو وہ اسی طور پر ہے کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں سود نہیں ہے۔ بہر حال جب یہ بات واضح ہوگئی تو خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک اس کی کوئی قید نہیں ہے کہ زیادتی مسلمان کو حاصل ہو رہی ہے یا غیر مسلم کو جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں وضاحت کی ہے اور مزید تشفی کے لئے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت دوبارہ نقل کی جاتی ہے۔

ویستوی ان کان المسلم أخذ الدرهمين بالدرهم أو الدرهم بالدرهمين لانه طيب نفس الكافر بمااعطاه قل ذلک أوكثر واخذ ماله بطريق الاباحة كماقررنا.

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصرف، باب الصرف، الجز۱۴ ص ۵۹ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: اور برابر ہے مسلمان خواہ ایک درہم کے بدلے میں دو درہم حاصل کرے یا دو درہم کے بدلے میں ایک درہم کیونکہ وہ کافر کی اپنی خوشی ہے جو وہ دے رہا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور اس نے اس کا مال بطریق اباحت حاصل کیا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہاں البتہ مذکورہ بالاعبارت سے بھی ظاہر ہے اور متأخرین حنفیہ نے بھی تصریح فرمائی کہ حربی سے اس قسم کے معاملے میں مسلمان کو نفع ملنا چاہیے اس کے برعکس اگر نفع غیر مسلم کو ملے تو ایسا کرنا سود تو نہیں مگر نا جائز ہے کہ بلا وجہ اپنے مال کو ضائع کرنا ہے۔اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم مورٹ گیج کے مسئلے کو دیکھیں تو ظاہر ہو جائیگا کہ مورٹ گیج میں مسلمان کا فائدہ ہے یا کرایہ پر مکان لے کر رہنے میں؟ راقم الحروف نے انٹرنیٹ پر دیکھا اور امریکہ وانگلینڈ میں رہنے والے بعض علماء وصلحاء وعوام سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کی تو انھوں نے بتایا کہ اگر کوئی مسلمان کرایہ پر مکان لے کر رہائش اختیار کرے اور اس مکان میں بیس پچیس سال بھی گزار دے تو اسے کرایہ کے بدلے میں مکان کی عارضی سکونت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ مالک مکان کی جانب سے مختلف نا قابل برداشت شرائط کو بھی ماننا پڑتا ہے مثلاً فیملی میں دو بچوں سے زیادہ نہ ہوں اور اگر زیادہ ہو جائیں جیسا کہ الحمدللہ مسلمانوں میں اولاد وافر ہوتی ہے، تو انھیں وہ مکان چھوڑنا پڑ جاتا ہے یا کرایہ زیادہ دینا پڑتا ہے۔ نیز مہمانوں کے سلسلے میں یہ شرط ہوتی ہے کہ زیادہ مہمان نہ آئیں اور اگر کوئی آ جائے تو زیادہ دن رہائش اختیار نہ کرے۔ جبکہ اس کے برعکس مسلمان اسی مکان کو مورٹ گیج پر حاصل کر لے تو عموماً مورٹ گیج کی اقساط کی صورت میں ادا کی جانے والی رقم بھی اتنی ہی ہوتی ہے کہ جتنی کرایہ کی رقم بلکہ بعض اوقات اس سے کم بھی ہوتی ہے۔ نیز کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ پھر بیس پچیس سال بعد وہ مکان مسلمان کی ملکیت میں آ جاتا ہے۔اب اس

حقیقت حال کو مدنظر رکھ کر ہر صاحب فہم اقرار کرے گا کہ کرایہ کے بجائے مورٹ گیج میں مسلمان کا فائدہ ہے۔لہذا امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما بلکہ متأخرین فقہاء احناف کے نزدیک بھی بلاد کفار میں مسلمان کے لئے مورٹ گیج پر مکان لینا جائز وحلال ہے اور اس کے برعکس کرایہ پر مکان لے کر رہنے میں مسلمان کا سراسر نقصان اور بلاوجہ کافر کو فائدہ پہنچانا ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق القادری الشاذلی عفی عنہ

۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ، 16 جون 2011ء